ڈاکٹر عباس حیدر زیدی
پاکستان اسٹڈی سینٹر، جامعہ کراچی

علامہ شبلی نعمانی کے دینی افکار کا تحقیقی جائزہ

Abstract

Allama Shibli Nomani was a great religious and versatile scholar in our history of Subcontinent. He wrote many books like Almamoon, Alfarooq, Alghazali, Sawanayah Molana Room, Seerat Alnoman, Seerat Alnabi, Orangzaib Aalamgeer Ghazi per ak Nazar, Sharul Ajam, Mawazna-e-Anees wa Dabeer, Ilmul Kalam, Alkalam, Safar nama Room, Misir wa Sham, Kulyat-e-Farsi, Rasaeel-e-Shibli. His literature is in urdu, Persian and Arabic languages. His poetry both in urdu and Persian are very worthwile. His historical writings having deep insight and critical approach. His personality was multidimensional. He was a Scholar, an Aalim, a reformer, an educationalist, a poet, a writer and a columnist. In this article, I have discussed his written works which based on his books and articles with critical and analytical approach. His works are important addition in the existing literature of same topics, specially they fill the gap of urdu literature on these issues.

کلیدی الفاظ

علم الکلام، الفاروق، سیرت النعمان، ماتریدیہ، عالمگیر طوفان، درالمصنفین

مقدمہ

علامہ شبلی نعمانی برصغیر کی ان اہم ترین شخصیات میں شامل ہیں کہ جنھوں نے برصغیر کے مسلمانوں میں علمی بیداری اور ماضی سے ان کے ربط کو برقرار رکھنے میں اہم کردار ادا کیا۔ سرسید احمد خان کے زیر اثر علی گڑھ تحریک کے ہراول دستہ میں شبلی کا شمار ہوتا ہے۔ وہ علی گڑھ کالج میں عربی کے استاد مقرر کئے گئے۔ علی گڑھ کے علمی ماحول نے ان کی شخصیت کو جلا بخشی اور ان کی شخصیت ابھر کر سامنے آئی۔ شبلی نے علی گڑھ کالج سے علیٰحدگی اختیار کرنے کے بعد ندوۃ العماء میں شمولیت اختیار کی اور وہاں علماء کی مجلس انتظامیہ میں اس کی معتمدی کے فرائض بھی سرانجام دیئے۔ وہ ندوۃ العلماء کے زیر اثر چھپنے والے رسالے "الندوہ" کے ایڈیٹر بھی رہے۔ انھوں نے حیدرآباد میں "سررشتہ علوم وفنون" میں نظامت کے فرائض بھی سرانجام دیئے۔ انھوں نے "دارالمصنفین" کی بھی بنیاد رکھی کہ جس نے تصنیفی میدان میں کافی ترقی کی۔ شبلی کی علمی شخصیت کا اندازہ ان کی تصانیف کی کثرت و تنوع سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ ان کی تصانیف میں عقلیات، سوانح، تاریخ، تعلیم، سیاسیات، ادب و تنقید، سفرنامہ، مکاتیب اور تراجم جیسے مختلف النوع موضوعات شامل ہیں، جو ان کے کثرت مطالعہ وکتب بینی کے حوالے سے ثبوت مہیا کرتے ہیں۔

علامہ شبلی نعمانی کے دینی افکار کا جائزہ لینے کے لئے ہم نے اس مقالے میں یہاں تین جہتوں سے بحث کی ہے یعنی موروثی طور پر ان کے فقہ و عقائد میں مذہبی وابستگی کا جائزہ لیا ہے پھر ان کے اساتذہ اور معاصرین سے ان کے مذہبی ہم آہنگی کا جائزہ لیا ہے اور آخر میں ان کی لکھی گئی کتابوں سے ان کی مذہبی فکر کا کھوج لگایا ہے۔ اگر اس حوالے سے تحقیق کی جائے کہ وہ موروثی طور پر کس فقہ کے ماننے والے تھے اور عقائد میں کس کی پیروی کرتے تھے تو فقہی حوالے سے بقول شیخ محمد اکرام شبلی ایک غالی حنفی تھے۔(1) اس کے ساتھ ساتھ حنفیت کی مدح اور ستائش میں انھوں نے مناظرانہ طرز عمل بھی اختیار کر لیا تھا چنانچہ ڈاکٹر آفتاب احمد صدیقی کے مطابق انھوں نے "الکلام" عیسائیوں کے جواب میں، "الفاروق "شیعوں کے جواب میں اور "سیرت النعمان" اہل حدیث کے جواب میں لکھی۔(2) شبلی اگرچہ حنفی فقہ کے ماننے والے تھے، البتہ ان کے

عقائد وخیالات اشاعرہ کے بر خلاف "ماتریدیہ" سے تعلق رکھتے ہیں۔ انھوں نے "علم الکلام" اور "الکلام" میں اشاعرہ پر اعتراضات کئے ہیں۔ وہ امام ابو حنیفہ کے ایک شاگرد کے شاگرد "امام ابو منصور ماتریدی" کے مقلد ہیں۔ علامہ شبلی نے اپنی کتاب "علم الکلام" میں "ماتریدیہ" کا عنوان قائم کرکے امام ماتریدی کے وہ مسائل، جن میں وہ امام اشعری کے مخالف ہیں، بیان کئے ہیں اور "ماتریدیہ" کی گمنامی کی وجہ علمائے حنفیہ میں "علم الکلام" کی کم تصانیف کو قرار دیا ہے۔(3) اشاعرہ کے خلاف لکھنے کی وجہ سے انھیں "معتزلی" ھی سمجھا گیا، جسے سید سلیمان ندوی نے اپنی کتاب "حیات شبلی" میں رد کیا ہے۔ ان کے نزدیک شبلی عقائد میں "ماتریدیت" کو ترجیح دیتے تھے۔(۴) دوسرے لفظوں میں اشاعرہ کا رد لکھنا معتزلہ کی حمایت کے بجائے "ماتریدیہ" سے قلبی تعلق پر مبنی ہے۔ اگر اس حوالے سے تحقیق کی جائے کہ شبلی کے دینی افکار پر ان کے اساتذہ کے اثرات کس حد تک اثر انداز ہوئے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اساتذہ میں ایسے اشخاص موجود تھے کہ جنہوں نے ان کی فکری جہت کو راستہ فراہم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ان میں سب سے اہم شخصیت مولانا محمد فاروق چریا کوٹی کی تھی۔ شبلی کی شخصیت میں قدامت پسندی کا رجحان، فارسی شعر گوئی کا شوق، معقولات پر دسترس اور مناظرانہ طبیعت ان ہی کے مرہون منت تھی۔ شبلی اپنے استاد کی نسبت کہتے ہیں ۔"میں نے معقولات کی تمام کتابیں مثلاً میر زاہد، ملا جلال مع میر زاہد حمد اللہ، شرح مطالع، صدرا، شمس بازغہ ان ہی سے پڑھیں اور میری تمام کائنات ان ہی کے افادات ہیں، فارسی کا مذاق بھی ان ہی کا فیض ہے، اکثر اساتذہ کے اشعار پڑھتے اور ان کے ضمن میں شاعری کے نکتے بتاتے۔"(5) اس طرح یہ کہا جاسکتا ہے کہ شبلی کے دینی افکار کو ایک جہت دینے میں ان کے استاد مولانا محمد فاروق چریا کوٹی نے بھی اہم کردار ادا کیا۔ شبلی کے ایک اور استاد مولانا ارشاد حسین مجددی تھے۔ شبلی کو فقہ حنفی سے جو عشق تھا، وہ بھی ان ہی کی بدولت تھا۔ انھوں نے مولانا ارشاد سے فقہ واصول کی تعلیم حاصل کی تھی۔ شبلی نے جب "سیرت النعمان" لکھی تو اس سلسلے میں بھی مولانا ارشاد حسین سے مدد کی درخواست کی۔(6) اس طرح ان کی تحریروں میں جو حنفی فقہ کی پرزور حمایت نظر آتی ہے، وہ ان کے استاد مولانا ارشاد کی ہی بدولت تھی۔ البتہ یہاں اس بات کا ذکر خارج از بحث نہیں ہوگا کہ شبلی کا اصلی نام "محمد شبلی" تھا۔ شبلی نے اپنے نام کے آگے جو لفظ "نعمانی" کا اضافہ کیا تھا تو اس کی وجہ شیخ محمد اکرام کی نظر میں یہ تھی کہ انھوں نے حنفیت کے جوش میں اپنا لقب نعمانی قرار دیا۔(7) جبکہ شبلی کے شاگرد خاص سید سلیمان ندوی کے مطابق اس نام

سے لوگوں کو دھوکا ہوا کہ آپ امام ابو حنیفہ کی اولاد سے ہیں لیکن در حقیقت ان کے استاد مولانا محمد فاروق چریا کوٹی نے آپ کا لقب "نعمانی" قرار دیا تھا جو کہ بعد میں آپ کے نام کا جزو بن گیا۔(8) شبلی کے اساتذہ میں مولانا فیض الحسن سہارنپوری بھی تھے جو کہ "اورینٹل کالج لاہور" میں پروفیسر تھے اور پایہ کے ادیب تھے۔ ہندوستان کے عربی گو شعراء میں قاضی عبدالمقدر شریحی کے بعد یہ دوسرے بزرگ تھے، جو عربی ادب وشاعری کے علاوہ فارسی شعر وادب میں بھی اعلیٰ مقام ومنزلت پر فائز تھے۔(9) شبلی کی شعر گوئی ان ہی کی مرہون منت تھی۔ وہ اپنے دروس میں قرآن کریم کی فصاحت وبلاغت کا ذکر کرتے اور علمی نکتے بیان فرماتے، جس کا اثر شبلی کی شخصیت پر پڑا اور یہ اثر ان کی تحریروں میں آخری دم تک قائم رہا۔ شبلی نے اپنے استاد کی وفات پر فارسی مرثیہ بھی کہا۔(10) جس سے ان کی اپنے استاد سے علمی وقلبی لگاؤ کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ شبلی کے ایک اور استاد مولانا احمد علی سہارنپوری بھی تھے کہ جن سے شبلی نے حدیث کا علم حاصل کیا۔ یہ بھی علم حدیث میں اہم مقام رکھتے تھے۔ اس طرح شبلی کی شخصیت میں اسلام سے محبت والفت ان کے اساتذہ کے زیر اثر تھی۔

شبلی کے دینی افکار کو پروان چڑھانے میں جہاں ان کے اساتذہ کا ہاتھ ہے، وہاں ان کی ہم عصر اہم شخصیات نے بھی نمایاں کردار ادا کیا۔ ان میں سب سے اہم نام سرسید احمد خان کا ہے۔ شبلی اور سرسید کے درمیان تعلقات مسلمانوں کی اصلاح، اردو سے محبت اور کتابوں سے عشق کے حوالے سے مشترک تھے جبکہ ان کے درمیان مذہبی نوعیت کے اختلافات میں سب سے بڑی وجہ سرسید کی مذہبی فکر تھی۔ سرسید مغرب سے بہت زیادہ متاثر تھے یہاں تک کہ انھوں نے مذہب کی تطبیق بھی مغرب کے عقلی معیار کے مطابق کرنی چاہی۔(11) سرسید اور شبلی کے ذہنی تفکر میں جو بُعد نظر آتا ہے، وہ ان کے زاویہ نگاہ کا ہے۔ سرسید نے ظاہری چیزوں کو اہمیت دی جبکہ شبلی نے باطنی چیزوں کا بھی لحاظ رکھا۔ شبلی اپنے مضمون "سرسید مرحوم اور اردو لٹریچر" میں رقم کرتے ہیں۔ "مجھ کو سرسید کے مذہبی مسائل سے سخت اختلاف تھا اور میں ان کے بہت سے عقائد و خیالات کو بالکل غلط سمجھتا تھا تاہم اس سے مجھ کو کبھی انکار نہ ہو سکا کہ ان مسائل کو سرسید نے جس طرح اردو زبان میں ادا کیا ہے کوئی دوسرا شخص کبھی ادا نہیں کر سکتا۔"(12) شبلی کے ان جملوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کو اگرچہ سرسید کے مذہبی مسائل سے شدید نوعیت کا اختلاف تھا تاہم وہ ان کی اردو زبان دانی کے قائل تھے۔ یہاں عبدالطیف اعظمی کی یہ بات حقیقت سے دور معلوم نہیں ہوتی کہ شبلی اور سرسید میں نظریات کا جو فرق

تھا، وہ اس حد تک تھا کہ سر سید نے مسلمانوں کی دنیا سنبھالی، شبلی نے ان کی دنیا کے ساتھ ان کے دین کی بھی فکر کی۔(13) شبلی کے معاصرین میں مولانا الطاف حسین حالی بھی تھے۔ان دونوں میں اکثر شعر و سخن اور علم و فن کی صحبتیں رہتیں تھیں۔اگرچہ شبلی نے ان کی سرسید کی سوانح پر لکھی گئی کتاب "حیات جاوید" پر تنقید کرتے ہوئے اسے "کتاب المناقب" بتایا لیکن معین الدین احمد انصاری کے بقول، اس سے مراد" مولانا حالی کی ذات پر حملہ " نہ تھا۔ (14) شبلی کی مذہبی فکر کو پروان چڑھانے میں حالی کا بھی ہاتھ تھا۔اسی طرح شبلی کے مولانا ابوالکلام آزاد سے بھی گہرے تعلقات تھے۔ شبلی اور آزاد میں بھی علمی صحبتیں رہیں اور خیالات کا تبادلہ ہوا۔ شبلی نے سرسید کی بہ نسبت آزاد کے مذہبی افکار کو زیادہ جذب کیا۔ان کے کہنے پر مولانا آزاد نے "الندوہ" کے سب ایڈیٹر کے طور پر بھی کام کیا۔ شبلی کی دینی فکر کو نئی جہت دینے میں پروفیسر آرنلڈ کا ہاتھ بھی شامل رہا۔ وہ ان کے ذریعے مغربی تہذیب و تمدن سے آشنا ہوئے۔ شبلی کے مذہبی رجحانات کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان کی قدامت پسندانہ فکر علی گڑھ آنے سے پہلے ان کے استاد مولانا محمد فاروق کے زیر اثر تھی۔ شیخ محمد اکرام اپنی کتاب "شبلی نامہ" میں تحریر کرتے ہیں۔ "مولانا فاروق کے زیر اثر ان کا ذہن بڑی ترقی کر گیا۔خیالات میں ایک منطقی ترتیب آگئی۔اور مناظروں میں حریف کو نیچا دکھانے کی اہلیت پیدا ہوگئی۔بلکہ طبیعت پر ایک ایسا مناظرانہ رنگ غالب آگیا۔ جو تمام عمر ان کی تحریر و تقریر کا مابہ الامتیاز رہا۔"(15)

شبلی کے دینی افکار میں بڑی تبدیلی اس وقت پیدا ہوئی، جب انھوں نے علی گڑھ کالج کے علمی ماحول میں قدم رکھا۔ علی گڑھ کے ماحول میں ان کی مذہبی فکر میں وسعت نظری پیدا ہوئی اور اس میں جدت پسندی کا عنصر بھی شامل ہو گیا۔ پہلے ان کا مذہبی جوش و خروش جو غیر مقلدین سے مناظروں میں استعمال ہو رہا تھا، علی گڑھ آنے کے بعد اسلام دشمن مصنفین کی بیخ بنی میں استعمال ہونے لگا۔ شبلی کی عہد علی گڑھ کی تصانیف میں المامون، سیرت النعمان، سفر نامہ روم و مصر و شام، مسلمانوں کی گزشتہ تعلیم، تراجم، کتب خانہ اسکندریہ، الجزیہ اور الفاروق شامل ہیں۔ یہ تصانیف ان کی تاریخ اسلام سے دلی وابستگی اور قربت کو ظاہر کرتی ہیں۔ شیخ محمد اکرام نے "اد گار شبلی" میں اس دور کو "شبلی کی تاریخ نگاری کا عہد زریں" قرار دیا ہے۔(16) انھوں نے حیدر آباد کے قیام کے دوران جو کتابیں تصنیف کیں، ان میں الغزالی، علم الکلام، الکلام، سوانح مولانا روم اور موزنہ انیس و

دبیر شامل ہیں۔ قیام علی گڑھ اور قیام حیدر آباد کی تصانیف کے تقابلی مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ حیدر آباد میں ان پر کلامی رنگ غالب رہااور ساتھ ساتھ غزل گوئی بھی زور پکڑ گئی۔ شبلی کی دینی فکر کا دائرہ عالمی سطح پر بھی پھیلا۔ اسی عالمی فکر نے ان کے دل میں ترکی سے محبت پیدا کی اور جنگ طرابلس وبلقان میں مسلمانوں پر ہونے والے ظلم وستم نے ان کو اپنی طرف متوجہ کیا، جس سے متاثر ہو کر انھوں نے ان واقعات پر پُر درد نظمیں لکھیں۔ ترکی میں دوران سفر غازی عثمان پاشا سے ملاقات، سلطان عبدالمجید خان کی طرف سے تمغہ مجیدی کا ملنا، مصر میں جمال الدین افغانی کے صحبت یافتہ شیخ محمد عبدہ سے ملاقات اور "المنار" کے ایڈیٹر علامہ سید رشید رضا سے ملاقات، ان تمام عوامل نے شبلی کے دینی وفکری ارتقاء کو جلا بخشی اور انھیں "پین اسلامسٹ" کے طور پر متعارف کرانے میں اہم کردار ادا کیا۔

شبلی نعمانی کی کتابوں سے ان کی دینی فکر کا اندازہ لگایا جاسکتا تھا۔ ان کی دینی فکر ان مقامات پر زیادہ واضح نظر آتی ہے، جب کوئی شخصیت، واقعہ یا مسلک ان کی مذہبی سوچ کے خلاف نظر آتی ہے۔ شبلی کی پرورش چونکہ مناظرانہ ماحول میں ہوئی تھی، لہٰذا ان کی دینی فکر میں اہل تشیع کے خلاف مخالفانہ رویہ بھی جھلکتا نظر آتا ہے اور مسلمانوں کے دو بڑے فرقوں سنی اور شیعہ میں سے شیعہ فرقے کے خلاف ان کے مذہبی خیالات و احساسات ہیں جو کہ متعدد مقامات پر مختلف حوالوں سے ظاہر ہوئے۔ مثلاً اپنی کتاب "المامون" میں کہتے ہیں :"کوفہ کے اکثر لوگوں نے حسن کا ساتھ دیا مگر جن لوگوں کو شیعہ پن میں زیادہ غلو تھا"(17) یا وہ کہتے ہیں:"یہ عجیب بات ہے کہ مامون کی اس فیاضانہ مراعات کو ہمارے مورخین شیعہ پن کا اثر خیال کرتے ہیں ۔"(18) شبلی نے "سیرۃ النعمان" میں امام ابو حنیفہ کی ذہانت کے جن قصوں کو بیان کیا ہے، وہاں وہ ایک واقعہ میں شیعہ کا تعارف "متعصب شیعہ" اور دوسرے واقعہ میں "غالی شیعہ" کے طور پر کراتے ہیں۔(19) اس طرح شبلی کا مسلمانوں کے ایک فرقے شیعیت کے خلاف ان کے "شیعہ پن"، "متعصب شیعہ" اور "غالی شیعہ" جیسے الفاظ ان کی مذہبی فکر کے اس گوشے کو دکھاتے ہیں کہ جہاں شبلی کی دینی فکر میں شیعیت کی مخالفت نظر آتی ہے۔ یہ فکر ان کی اسی مناظرانہ سوچ کا پتہ دیتی ہے، جو ان کو اپنے اساتذہ سے ملی تھی۔ علامہ شبلی نے جن اساتذہ سے تعلیم حاصل کی تھی، ان کے اثرات بھی ان کی تاریخ نویسی اور سوانح نگاری پر مرتب ہوئے ۔ چنانچہ ان کے یہاں بنو امیہ اور بنو عباس کے حکمرانوں کے حوالے سے نہایت نرم رویہ پایا جاتا ہے اور وہ ان کی

حمایت میں رطب اللسان ہوتے ہیں جبکہ ان کے خلاف بر سر پیکار اشخاص کے بارے میں مخالفت پر مبنی رویہ اختیار کیا ہے۔ مثلاً وہ ان تحریکوں کے بارے میں مخالفانہ رجحان رکھتے ہیں کہ جو بنو امیہ اور بنو عباس کی حکومتوں کے خلاف چل رہی تھیں۔ انھوں نے امام ابو حنیفہ کی وفات کے متعلق یہ رقم کیا ہے کہ منصور کی قید میں زہر خورانی سے آپ کی وفات ہوئی۔ وہ ابو حنیفہ کو محض قضاۃ کے عہدے سے انکار کی بنا پر منصور کا ان کو قید کرنے کا ذکر کرتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں انھوں نے ابو حنیفہ کے قضاۃ کے عہدے سے انکار کی وجہ مبہم انداز میں بیان کی ہے اور اس میں منصور کے لئے رحم اور ہمدردی کی گنجائش نکالی ہے۔ شبلی نے ابو حنیفہ کے عذر کو بھی بیان کیا ہے کہ جس میں انھوں نے اپنی نا قابلیت کی وجوہات بھی بیان کی ہیں، جو کہ یہ ہیں۔ "مجھ کو اپنی طبیعت پر اطمینان نہیں، میں عربی النسل نہیں ہوں اس لئے اہل عرب کو میری حکومت ناگوار ہو گی، درباریوں کی تعظیم کرنی پڑے گی اور یہ مجھ سے ہو نہیں سکتا۔"(20) اس موقع پر قابل تعجب بات یہ ہے کہ شبلی ابو حنیفہ کی نا قابلیت کو عذر کے طور پر پیش کر کے منصور کی بالواسطہ طور پر حمایت کرتے محسوس ہوتے ہیں۔ اگر بات اتنی معمولی تھی تو منصور کا ابو حنیفہ کو اس عہدے سے انکار کی صورت میں قید کرنا بے معنی تھا۔ مولانا مودودی کے مطابق بنو امیہ اور بنو عباس کے زمانے میں ابو حنیفہ کے قضاۃ کا عہدہ قبول نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ "خلیفہ پر قانون کا حکم نافذ نہ کرنے کی وہاں کوئی گنجائش نہ تھی بلکہ انہیں اندیشہ تھا کہ انہیں آلہ ظلم بنایا جائے گا، ان سے غلط فیصلے کرائے جائیں گے۔"(21) شبلی نے بنو عباس کے خلیفہ ابو جعفر منصور کی خامی "بخل" کو اس کی خوبی کے طور پر بیان کیا ہے۔ (22) ان کے مطابق منصور نے بغداد شہر کی تعمیر میں "کفایت شعاری" سے کام لیا۔ (23) یہاں تک کہ ایک افسر پر حساب سے پندرہ درہم باقی نکلے تو اسے قید کی سزا دی۔ تاہم جب مصارف کا حساب کیا گیا تو در کروڑ درہم کی رقم سرکاری خزانے سے خالی ہو چکی تھی۔ (24) اس طرح وہ منصور کے بخل کو اس کی " کفایت شعاری " اور اس کے اس طرح رقم خرچ کرنے کو اس کی "فیاضی" سے تعبیر کرتے ہیں۔ (25) جبکہ تاریخی حوالے سے ابو جعفر منصور کا لقب "دوانیقی" اسی وجہ سے پڑا کہ وہ نہایت کنجوس واقع ہوا تھا۔ (26) شبلی شہر بغداد کے حوالے سے کہتے ہیں کہ "قریباً پانچ سو برس تک خلفاء و اعیان سلطنت اور بڑے بڑے دولت مند امراء کے فیاضانہ بے روک ٹوک حوصلے اس کی آبادی کی رونق بڑھانے میں رقیبانہ سرگرمی کے ساتھ صرف ہوا کئے۔"(27) یہاں شبلی خلفاء عباسیہ، سلطنت کے اراکین اور دولت مندوں کی

فضول خرچی اور عیاشی کو "فیاضانہ بے روک ٹوک حوصلے" سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ بنو عباس کے ایک اور خلیفہ مامون الرشید کی حمایت کرتے ہوئے اپنی کتاب "المامون" میں اس کی شادی کی تقریب کا ذکر کرتے ہیں جو کہ ان کی نظر میں اس عہد کی "مسرفانہ فیاضی" اور " حشمت ودولت" کی سب سے بڑی مثال ہے۔(28) یعنی وہ اس کی فضول خرچی کو "مسرفانہ فیاضی" سے بدلتے ہیں۔ جبکہ اسراف اور فیاضی دو الگ الگ صفت کے نام ہیں۔ انھوں نے مامون کی عیاشی، رندانہ وضع اور شراب نوشی کا بھی ذکر بھی بڑی بے باکی اور فخر سے کیا ہے۔ اسی کے ساتھ کہتے ہیں: "بنو امیہ اور عباسیہ میں ایک بھی خلیفہ ایسا نہیں گزرا جو اس فن شریف میں مناسب درسگاہ نہ رکھتا ہو۔ بڑے بڑے مذہبی علماء بھی اس چاٹ سے خالی نہ تھے۔"(29) شبلی اس بیہودگی کو "فن شریف" سے تعبیر کرتے ہیں اور ان کی ان محافل کو "درسگاہ" کہتے ہیں جو کہ انتہائی تعجب خیز ہے۔ ان کے مطابق صرف مامون پر ہی کیا موقوف ہے بنو عباس اور بنو امیہ کے تمام حکمران بھی یہ عیاشیاں کرتے تھے اور عموماً پورا اسلامی معاشرہ اسی رنگ میں ڈوبا ہوا تھا۔ شراب کی جگہ نبیذ تھی جس کی عراق کے مذہبی پیشواؤں نے اجازت دے رکھی تھی۔ اسی کے ساتھ وہ کہتے ہیں :"نغمہ وُ سرور تو قابلیت علمی کے بڑے جزو سمجھے جاتے تھے۔"(30) طوائفوں کی خریداری کے سلسلے میں مامون کے سرکاری خزانے پر جو اثرات مرتب ہوتے تھے، شبلی ہی کے الفاظ میں اس طرح ہیں: "مامون کے شبستان عیش میں ان۔۔۔ حورشوں کا ایک جھرمٹ رہتا تھا جن کی خریداری اور تربیت نے خزانہ عامرہ کو اکثر زیر باد کر دیا تھا۔"(31) شبلی ایک طرف تو مامون کے غیر معتدل اسرافات کو اس کی بے انتہا فیاضی سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کی وجہ سلطنت کا استحکام بتاتے ہیں لیکن ساتھ ہی وہ شاہی خزانہ پر اس کے منفی اثرات بھی بیان کرتے ہیں۔ اس طرح ان کی دینی فکر میں بنو امیہ اور بنو عباس کے حکمرانوں کے حوالے سے بے باکانہ حمایت کا ثبوت فراہم ہوتا ہے، چاہے ان خلفاء کی روشیں اسلامی احکامات سے متصادم ہی کیوں نہ ہوں۔

شبلی کی دینی فکر کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ انھوں نے تمام محدثین اور فقہاء پر امام ابو حنیفہ کی برتری ثابت کرنے کے لئے مناظرانہ طرز عمل اختیار کیا ہے۔ اس حوالے سے انھوں نے خاص طور پر امام شافعی اور ان کی فقہ پر علمی انداز میں تنقید کی ہے۔ ایک جگہ وہ اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کہ امام بخاری و امام مسلم نے امام ابو حنیفہ سے ایک بھی روایت نہیں لکھی، اس "الزام" میں وہ امام شافعی کو بھی شریک کرتے ہیں کہ ان

سے بھی صحیحین میں ایک بھی روایت نہیں آئی۔(32) انھوں نے حنفی فقہ کے احکامات کی مثالیں بیان کر کے ان کا دوسرے مکاتب فقہ سے تقابل کیا ہے اور فقہ حنفی کو ہی عقل و فہم سے قریب تر فقہ قرار دیا ہے۔ مثلاً انھوں نے نماز کے اراکین کی ادائیگی کے حوالے سے ابو حنیفہ اور شافعی کے اقوال کا موازنہ کیا ہے اور ابو حنیفہ کو فوقیت دی ہے۔(33) شبلی نے "الغزالی" میں امام غزالی کی فقہ پر مشتمل شافعی مسلک کی کتابوں کے صرف نام تحریر کر کے ان پر بحث سے صرف اس لئے گریز کیا ہے کہ عوام کو شافعی مذہب سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ شبلی کہتے ہیں۔ "اس لحاظ سے اگرچہ ہمارا فرض تھا کہ ہم امام صاحب کی ان ایجادات اور استنباط کو بہ تفصیل لکھتے جو ان علوم میں ان سے یادگار ہیں لیکن ہمارے ناظرین کو شافعی فقہ اور اصول فقہ سے دلچسپی نہیں ہو سکتی۔"(34) یہاں شبلی کے مسلکی پہلو کا اظہار ہوتا ہے کہ وہ غزالی کی فقہ سے متعلق کتابوں پر اظہار خیال کرتے نظر نہیں آتے۔ چونکہ شبلی فقہ حنفی کے ماننے والے تھے جبکہ امام غزالی کا تعلق فقہ شافعی سے تھا، لہٰذا انھوں نے امام غزالی کے فقہی نظریات کو بیان کرنے سے قصداً اجتناب کیا ہے۔ ورنہ انھوں نے "سیرت النعمان' ' میں شافعی فقہ پر تنقید بھی کی تھی۔ شبلی نے اپنی کتاب "سیرۃ النعمان" میں امام ابو حنیفہ کی عظمت ثابت کرنے کے لئے امام بخاری کے متعلق مخالفانہ روش اختیار کی ہے۔ انھوں نے امام بخاری کے اس دعوی کو بیان کیا ہے کہ ان کے مطابق ابو حنیفہ کا مذہب حدیث کے مخالف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ۔ "لیکن امام بخاری کی تحریر امام ابو حنیفہ کا فتوی دونوں ہمارے سامنے ہیں اور ہم خود سمجھ سکتے ہیں کہ ان مسائل میں امام صاحب کا مذہب حدیث کے مخالف ہے یا امام بخاری کے فہم و اجتہاد کے مخالف ہے۔"(35) شبلی نے ابو حنیفہ اور بخاری کے درمیان احکامات کے بارے میں اختلافات کو مثالوں سے بیان کیا ہے لیکن وہ بخاری کی ہر بات کو رد کرتے ہیں اور ابو حنیفہ کی تائید کرتے ہیں، البتہ انھوں نے اپنی کتاب " سیرۃ النبی " میں امام بخاری کی کتاب ہی کو تمام احادیث کی کتابوں پر فوقیت دی ہے۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ شبلی جب کسی شخصیت کو ابھار کر دکھانا چاہتے ہیں تو ان کی نظر میں دیگر شخصیات ثانوی حیثیت اختیار کر لیتی ہیں۔ شبلی کی دینی فکر چونکہ اشعری نظریات کی مخالف تھی، لہٰذا انھوں نے غزالی کے اشعری نظریات کو بیان کرنے کے ساتھ اشاعرہ کے خلاف ان کے بیانات کو بھی قلمبند کیا ہے۔ انھوں نے اپنی کتاب "سوانح مولانا روم" میں بھی مخالفانہ اور مناظرانہ روش اپنائی ہے۔ شبلی نے رومی کو مکتب اشعری کا حامی قرار دیا ہے۔(36) یہاں یہ بات قابل فہم ہے کہ انھوں

نے ایک طرف مولانا روم کو اشعری فکر کا حامل قرار دیا ہے اور ان کو معتزلہ سے نفرت کرنے والا قرار دیا ہے اور دوسری طرف علم کلام کے حوالے سے ان کی مثنوی سے جو مثالیں دی ہیں، ان میں اشاعرہ کے خلاف مثالیں پیش کی ہیں۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے سوانح مولانا روم میں بھی مناظرانہ طریقہ اختیار کیا ہے۔ ایک جگہ وہ کہتے ہیں: "ہزاروں آدمی اس جرم میں قتل ہوئے کہ وہ کلام الٰہی کو قدیم کہتے تھے۔ اشعریہ نے ان لوگوں کا استحصال کر دینا چاہا، جو یہ کہتے تھے کہ خدا عرش پر جاگزیں ہے۔"(37) یہاں بھی انھوں نے اشاعرہ پر تنقید کی ہے۔ رومی کے زمانے میں اشعری عقائد پھیلے ہوئے تھے اور اس زمانے میں امام رازی نے اشاعرہ کے عقائد پھیلانے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ اس حوالے سے شبلی مخالفانہ طرز عمل اپناتے ہوئے رومی پر امام رازی کے اثرات کے حوالے سے کہتے ہیں۔ "انھوں نے اشاعرہ کے عقائد کا صور اس بلند آہنگی سے پھونکا تھا کہ اب تک درودیوار سے آواز بازگشت آرہی تھی۔ اس عالمگیر طوفان سے مولانا محفوظ نہیں رہ سکتے تھے۔ تاہم چونکہ طبیعت میں فطرتی استقامت تھی۔ اس لغزش گاہ میں بھی ان کا قدم اکثر پھسلنے نہیں پاتا۔ وہ اکثر اشاعرہ کے اصول پر عقائد کی بنیاد رکھتے ہیں لیکن جب ان کی تشریح کرتے ہیں تو اوپر کے چھلکے اترتے جاتے ہیں اور اخیر میں مغز سخن رہ جاتا ہے۔"(38) شبلی واضح کرتے ہیں کہ رومی کے زمانے میں اشعری عقائد کا غلبہ تھا جس کو وہ "عالمگیر طوفان" سے نسبت دیتے ہیں اور اسے ایسی "لغزش گاہ" تصور کرتے ہیں جہاں پاؤں نہ ٹھہرتے ہوں۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اشاعرہ کے نظریات کے حوالے سے مخالفانہ رویہ اختیار کرتے ہیں۔ بحیثیت مورخ شبلی کو چاہیئے تھا کہ وہ معتزلہ اور اشاعرہ کے نظریات کا تقابلی جائزہ پیش کرتے اور غیر جانبداری کا مظاہرہ کرتے لیکن انھوں نے نظریہ جبریہ کی نا صرف مخالفت کی بلکہ معتزلہ کے دلائل بھی اس ضمن میں بیان کئے، اس طرح ان کا جھکاؤ اشاعرہ کے بر خلاف معتزلہ کی طرف نظر آتا ہے۔ شبلی کے دینی افکار میں مناظرانہ رویہ کی مشترک بات یہ ہے کہ انھوں نے اپنے ہیرو کے مقابل اشخاص اور اپنے ہیرو کے مقابل نظریات کے مقابلہ میں اپنے ہیرو کی مسلکی، سیاسی اور فکری برتری کو ثابت کرنے کی شعوری کوشش کی ہے اور اسی بات نے ان کی مورخانہ غیر جانبداری کو بھی نقصان پہنچایا ہے۔ شبلی کی دینی فکر میں مستشرقین کے ساتھ مدافعانہ رویہ بھی کارفرما نظر آتا ہے۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ شبلی کی دینی فکر قدامت پسندی کی طرف مائل ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کی مذہبی سوچ پر مستشرقین کے گہرے اثرات بھی مرتب ہوئے، جس کے

نتیجہ میں انھوں نے اپنی کتابوں میں مستشرقین کے خلاف جارحانہ رویے کے بجائے مدافعانہ طرز عمل زیادہ اختیار کیا۔اس حوالے سے ہم چند مثالیں پیش خدمت کرتے ہیں۔مامون کے عہد میں غیر مسلموں کو جو حقوق حاصل تھے، اسے بیان کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں۔ "مامون کے عہد میں غیر مسلموں کو جو حقوق حاصل تھے مہذب سے مہذب حکومت میں بھی اس سے زیادہ نہیں ہوسکتے ۔ یہود ، مجوس،عیسائی،لامذہب اس کی وسیع حکومت میں نہایت آزادی سے زندگی بسر کرتے تھے ۔خاص دارالخلافہ بغداد میں بہت سے گرجے اور چرچ نئے تعمیر ہوئے موجود تھے جن میں رات دن ناقوس کی صدائیں گونجتی رہتی تھیں۔دربار میں ہر مذہب وملت کے علماء وفضلاء حاضر رہتے تھے اور مامون ان کے ساتھ نہایت عزت وتوقیر سے پیش آتا تھا۔"(39)شبلی یہاں دوسری قوموں کے حقوق کا ذکر کرتے ہیں۔وہ مامونی عہد میں گرجوں اور چرچ کی تعمیر،ناقوس کی صداؤں کے گونجنے اور عیسائی علماء کے مامون کے دربار میں اہم عہدوں پر فائز ہونے کو بیان کرتے ہیں لیکن اس ضمن میں ان کی بحث استدلالی اور دفاعی نوعیت کی حامل ہے۔انھوں نے اپنی کتاب " الفاروق " میں یورپین مورخین سے متاثر ہو کر اس طرح سے جملے ادا کئے ہیں کہ جو ان کی اسلام پسند طبیعت کو زیب نہیں دیتے، جیسے وہ کہتے ہیں کہ :"لیکن اسلام کا نشہ ایسا تھا کہ جس کو چڑھ جاتا تھا اترتا نہیں تھا"(40)اسلام کو نشہ آور مذہب کہنا دراصل سوشلزم کا نعرہ ہے، جسے شبلی نے بھی ادا کیا ہے۔اسی طرح وہ ایک اور جگہ کہتے ہیں۔ "مذہب کا نشہ بھی عجیب چیز ہے۔وبا کا وہ زور تھا اور ہزاروں آدمی لقمہ اجل ہوتے جاتے تھے لیکن معاذ اس کو خدا کی رحمت سمجھا کئے اور کسی قسم کی کوئی تدبیر نہیں کی لیکن عمرو بن العاص کو یہ نشہ کم تھا۔"(41) وہ مستشرقین سے متاثر ہونے کی بناپر حضرت عمر کی حکومت کو جمہوری حکومت قرار دینے کی کوشش کرتے نظر آتے ہیں ،چنانچہ وہ کہتے ہیں۔ "غرض حضرت عمر نے بغیر کسی مثال اور نمونے کے جمہوری حکومت کی بنیاد ڈالی اور اگرچہ وقت کے اقتضاء سے اس کے تمام اصول و فروع مرتب نہ ہوسکے تاہم جو چیزیں حکومت اسلامی کی روح ہیں سب وجود میں آگئیں۔"(42) وہ حضرت عمر کی عرب پالیسی کے تحت سوشلزم کو عرب کا اصلی مذاق بھی قرار دیتے ہیں ،چنانچہ وہ کہتے ہیں۔ "مساوات اور عدم ترجیح جس کو آج کل کی اصطلاح میں سوشلزم کہتے ہیں۔عرب کا اصلی مذاق ہے اور عرب میں جو سلطنت اس اصول پر قائم ہوگی وہ یقیناً بہ نسبت اور ہر قسم کی سلطنت سے زیادہ کامیاب ہوگی ۔"(43)شبلی نے اپنی کتاب "الغزالی"میں احیاء العلوم سے کھانا کھانے کے آداب سے متعلق

مثالیں احادیث سے نقل کی ہیں اور ان کا تقابل موجودہ زمانے میں کھانے کے آداب سے کیا ہے۔ انھوں نے کھانے کے آداب میں جس نقطہ کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے، وہ یہ ہے کہ کھانا کس چیز پر رکھ کر کھانا چاہئے یعنی دستر خوان پر یا میز پر۔ وہ ایجاد اور بدعت کا فرق واضح کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ "باقی یہ امر کہ یہ چیزیں آنحضرت کے بعد ایجاد ہوئیں تو یہ کوئی کلیہ نہیں کہ ایجاد بدعت ہے۔ بدعت ناجائز صرف وہ ہے جو کسی سنت کے مخالف ہو یا جس سے شریعت کا کوئی حکم باوجود بقائے علت کے باطل ہو جائے ورنہ حالات کے اقتضاء کے موافق ایجادات مستحب اور پسندیدہ ہیں۔"(44) اس طرح انھوں نے غزالی کی تحریر سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ میز پر رکھ کر کھانا جائز اور مستحسن عمل ہے اور یہ کوئی بدعت نہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ہندوستان میں انگریزوں کے طرز معاشرت کا اثر مسلمانوں پر پڑ رہا تھا، لہٰذا شبلی کی تحریر اپنے زمانے کی آئینہ داری بھی کرتی ہے۔ شبلی نے ایشیائی قوموں اور یورپی اقوام کے اخلاق کے معیار کا موازنہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ "ایشیائی قوموں میں اخلاق کا جو بہتر سے بہتر نمونہ قرار دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ انسان متواضع ہو، حلیم ہو، دشمنوں سے انتقام نہ لے، سخت بات پر اس کو غصہ نہ آئے، لہو ولہب سے بالکل محترز ہو، شرمگیں ہو، قناعت پسند ہو، متوکل ہو، مجلس میں بیٹھے تو چپ بیٹھے، بزرگوں کے سامنے لب نہ ہلائے، ہر شخص سے جھک کر ملے، غرض جتنی خوبیاں ہوں قوت منفعلہ سے تعلق رکھتی ہوں۔"(45) جبکہ یورپی اقوام کے اخلاق کا معیار بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ "اس کے مقابلے میں آج شائستہ قوموں کے نزدیک اخلاق کی یہ عمدگی کا یہ معیار ہے کہ انسان آزاد ہو، دلیر ہو، غیرت مند ہو، باحوصلہ ہو، پرجوش ہو، مہمات امور پر اس کی نظر ہو، ہر قسم کے جائز آرام اور لذائذ کا لطف اٹھائے، مختصر یہ کہ جو خوبی ہو قوت فاعلہ کا ظہور ہو۔" (46) ان کے نزدیک ایک کا رجحان "پست ہمتی" کی طرف اور دوسرے کو رجحان "بلند حوصلگی" کی طرف ہے۔ وہ یورپی اقوام سے اس قدر متاثر نظر آتے ہیں کہ ایشیائی اقوام کی بہ نسبت یورپی اقوام کو "شائستہ قوم" اور "مہذب ممالک" جیسے ناموں سے پکارتے ہیں۔ اس طرح انھوں نے یورپی قوم کو ایشیائی قوم پر اخلاقی حوالے سے برتری دی ہے۔

شبلی کی دینی فکر پر تحقیق سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ رسول اکرم کے خاص امتیازات جو کہ معجزات کی صورت میں ظاہر ہوئے، ان کی کتاب "سیرۃ النبی" میں نظر نہیں آتے، بلکہ انھوں نے مختلف حوالوں سے ان سے اعراض کیا ہے اور ان کی مختلف توجیہات کی ہیں یا ان روایات کو ضعیف کہا ہے۔ ہم ان کی

سیرت سے چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔ رسول اکرم کی ولادت کے عنوان میں شبلی کہتے ہیں۔"ارباب سیر اپنے محدود پیرائے میں بیان لکھتے ہیں کہ "آج کی رات ایوان کسریٰ کے ۱۴ کنگرے گر گئے، آتش کدہ فارس بجھ گیا، دریائے ساوہ خشک ہو گیا۔" لیکن سچ ہے کہ ایوان کسریٰ نہیں بلکہ شان عجم، شوکت روم، اوج چین کے قصر ہائے فلک بوس گر پڑے۔ آتش فارس نہیں بلکہ جحیم شتر، آتش کدہ کفر، آذر کدہ گمراہی سرد ہو کر رہ گئے ۔"(47) اس بیان میں انہوں نے ایک طرف تو سیرت نگاروں پر" محدود پیرائے میں بیان کرتے ہیں" کہہ کر طنز کیا ہے اور دوسری طرف ایوان کسریٰ کے کنگرے گرنے، فارس کے آتش کدہ کے بجھنے اور دریائے ساوہ کے خشک ہونے سے انکار کیا ہے اور اس کے بجائے اپنی لفاظی کا استعمال کر کے ان تمام باتوں کو تمثیلی و خیالی طرز میں بیان کیا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ان مافوق الفطرت واقعات کے رونما ہونے کو صحیح نہیں سمجھتے، لہٰذا شبلی کا یہ طرز تخاطب ان کی مستشرقین سے مرعوبیت کو ظاہر کرتا ہے۔ سیرت حلبیہ میں ان واقعات کو"ولادت اور عجائبات کا ظہور" کے عنوان سے علی بن برہان الدین حلبی نے نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے۔ (48)اسی طرح شعب ابو طالب میں محصور ہونے کے بعد اس سے بنو ہاشم کے باہر نکلنے کے حوالے سے شبلی یہ تو بیان کرتے ہیں کہ مطعم بن عدی نے دستاویز چاک کر دی۔ (49) لیکن وہ نہیں لکھتے کہ رسول اکرم نے حضرت ابو طالب سے فرمایا تھا کہ "اے چچا! اللہ نے دیمک کو نوشتہ قریش پر غالب کر دیا۔ اس نے جتنے اللہ کے نام تھے وہ تو چھوڑ دیئے اور جتنی ظلم و زیادتی اور رشتے توڑنے اور بہتان کی باتیں تھیں اس نے اس میں سے سب نکال ڈالیں۔(50) یعنی شبلی نے دیمک کے ذریعے دستاویز کو ختم کرنے کا ذکر نہیں کیا جبکہ اس کا ذکر سیرت ابن ہشام میں بھی تھا اورانھوں نے اس کتاب سے بھی اپنی کتاب" سیرۃ النبی" میں حوالے دیئے تھے۔ اسی طرح شبلی نے ہجرت کے موقع پر غار کے دھانے پر ببول کے درخت اُگنے اور دو کبوتروں کے گھونسلہ بنا کر انڈے دینے کی روایت کو غلط قرار دیا ہے۔ (51) جبکہ انہوں نے مکڑی کے غار کے دھانے پر جالا بننے کا ذکر ہی نہیں کیا۔ یقیناً یہ روایت بھی ان کے نزدیک صحیح نہیں تھی۔ جبکہ سیرت حلبیہ میں علی بن برہان الدین حلبی نے ببول کے درخت اُگنے اور مکڑی کے جالے کے ذریعے حفاظت کے واقعہ کو نقل کیا ہے۔(52)اور اسی کے ساتھ تاریخ کے دیگر واقعات کو بھی ثبوت میں پیش کیا ہے۔ ساتھ ہی انھوں نے کبوتروں کے انڈے دینے کے واقعہ کو بھی بیان کیا ہے۔ اس طرح شبلی کے نزدیک یہ واقعات صحیح نہیں ہے۔ شبلی کی کتاب" سیرۃ النبی" میں" شق

القمر" کے مشہور واقعہ کا ذکر بھی نظر نہیں آتا۔ جبکہ صحیح مسلم میں کہ جس کے حوالے شبلی نے اپنی کتاب سیرۃ النبی میں جگہ جگہ دیے تھے اور صحیح مسلم کو باقی تمام احادیث کی کتابوں ماسوائے صحیح بخاری کے، فضیلت دی تھی، وہاں بھی باقاعدہ شق القمر کا باب دیا گیا ہے۔(53) اسی طرح سیوطی نے اپنی کتاب "الدر المنثور" میں شق القمر سے متعلق روایات کو نہایت تفسیل سے ذکر کیا ہے۔(54) شبلی کی" سیرۃ النبی" میں معراج کے مشہور واقعہ کا بھی ذکر نہیں کیا جبکہ ابن ہشام نے اپنی تاریخ میں معراج کے واقعہ کا الگ باب قائم کیا ہے۔(55) اس کے علاوہ صحیح بخاری کہ جو شبلی کے نزدیک تمام سیرت، تاریخ اور احادیث کی کتابوں سے زیادہ مستند کتاب تھی، اس میں بھی امام بخاری نے باقاعدہ "باب الاسراء" اور اسی طرح "باب المعراج" کا عنوان قائم کیا ہے۔ (56) صحیح بخاری کے شارح حافظ ابن حجر عسقلانی نے باقاعدہ ایک کتاب "الاسراء والمعراج" لکھی۔(57) جبکہ شبلی نے" سیرۃ النبی" میں جگہ جگہ ابن حجر کے حوالے بھی دیئے تھے۔ امام مسلم نے بھی صحیح مسلم میں "باب الاسراء" کا عنوان قائم کیا ہے۔(58) اسی طرح ابو بکر البیہقی نے" دلائل النبوۃ" میں بھی معراج کے واقعہ کو ذکر کیا ہے۔(59) حلبی نے بھی اس واقعہ کا ذکر تفصیل سے کیا ہے۔(60) شبلی کے یہاں قرآن کو بطور رسول اکرم کے معجزے کے ظاہر نہیں کیا گیا اور نہ ہی اس کے لئے کوئی خاص عنوان رکھا گیا ہے کہ جس میں قرآن مجید جو کہ رسول اکرم پر نازل ہوا، اس کا ذکر تفصیل سے کیا جاتا۔ شبلی کے برعکس سیرت نگاروں نے رسول اللہ کے معجزات کو بطور خاص ان کے نبی ہونے کے ثبوت میں پیش کیا ہے اور باقاعدہ اس کے لئے ابواب قائم کئے ہیں، جیسے مشہور سیرت نگار علی بن برہان الدین حلبی نے اپنی "سیرت حلبیہ" میں "آنحضرت کے معجزات" کے حوالے سے باقاعدہ ایک باب قائم کیا ہے۔(61) انھوں نے رسول اللہ کے معجزات اور کرامات کو ان کی زندگی کے مختلف ادوار سے جمع کیا ہے۔ اسی طرح امام مسلم نے اپنی کتاب صحیح مسلم میں باقاعدہ معجزات کا باب قائم کیا ہے۔(62) قرآن مجید جو کہ رسول اللہ پر ایک الہامی کتاب کے طور پر بطور معجزہ اور امت کی ہدایت کے لئے نازل ہوا۔ شبلی کا اپنی کتاب" سیرۃ النبی" میں اس پر الہامی کتاب کی حیثیت سے کوئی گفتگو نہ کرنا، ان کی کتاب "سیرۃ النبی" کی بڑی خامی قرار دی جاسکتی ہے۔ شبلی نے اپنی سیرت میں کہیں بھی رسول اکرم کے ان معجزات یا ان مافوق الفطرت واقعات کو بطور عنوان ذکر نہیں کیا، جو سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں بکثرت موجود ہیں اور اگر کہیں ضمناً ایسے واقعات ان کی کتاب میں آ بھی گئے ہیں تو

یاتوان روایات کو ضعیف کہا ہے یا پھر اپنے زور قلم سے ان واقعات کی ہیت ہی تبدیل کر دی ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شبلی بالواسطہ طور پر مستشرقین سے متاثر نظر آتے ہیں۔

شبلی کے دینی افکار کو متعین کرنے کے لئے یہاں تین جہتوں سے گفتگو ہوئی یعنی ایک جہت خود ان کی اپنی مذہبی سوچ جو کہ موروثی طور پر ان میں پائی جاتی ہے، دوسری جہت ان کے اساتذہ و معاصرین کی مذہبی فکر ہے اور تیسری جہت خود شبلی کی کتابوں میں ان کی دینی فکر کارفرما ہے۔ شبلی کے دینی افکار پر ان کے اساتذہ اور معاصرین کے اثرات کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان کی دینی فکر دو متضاد مذہبی فکر رکھنے والے ذہنوں کے درمیان پروان چڑھی۔ایک طرف تو ان کی دینی سوچ میں ان کے اساتذہ کے نظریات کا اثر تھا کہ جن کا مذہبی رجحان قدامت پسندی کی جانب تھا تو دوسری طرف ان کے دینی نظریات میں علی گڑھ تحریک سے وابستہ افراد کی مذہبی سوچ بھی اثر رکھتی تھی جو کہ جدیدیت سے زیادہ متاثر تھی۔چنانچہ ان کی دینی ذہنیت میں پنہاں اپنے اساتذہ و معاصرین کے افکارات و خیالات، ان کی تحریروں میں بھی ظاہر ہوئے۔ شبلی کی لکھی گئی کتابوں سے ان کی دینی فکر کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جو ایک طرف تو جدیدیت سے متاثر نظر آتی ہے اور دوسری طرف قدامت سے وابستہ رہنا چاہتی ہے۔ڈاکٹر سید عبداللہ اپنے مضمون ”شبلی کے تصنیفی کام کی مجموعی قدر و قیمت“ میں کہتے ہیں :

شبلی نے پرانے علوم اور قدیم طرز فکر سے از سر نو دلچسپی پیدا کی اور مغرب کی اندھی تقلید اور کورانہ پیروی کے خلاف سخت احتجاج کیا وہ نئی زندگی کے داعی ہوئے مگر ایسی زندگی کے جس کی بنیادیں اپنی روایات پر قائم ہیں۔(63)

شبلی کی کتابوں میں ان کی دینی فکر کی یہ دو جہتیں کارفرما نظر آتی ہیں۔ایک طرف ہمیں ان کی مخالفانہ اور مناظرانہ روش کارفرما نظر آتی ہے اور دوسری طرف مستشرقین کے ساتھ مدافعانہ روش نظر آتی ہے جو کہ ان کے دو متضاد مذہبی نظریات کے حامی شخصیات سے ان کے روابط اور ان کے اثرات کا پتہ دیتی ہے۔البتہ شبلی اردو ادب میں ایک مسلمان مورخ اور سوانح نگار ہونے کی حیثیت سے اپنا ایک خاص مقام رکھتے ہیں کہ جس سے کسی طرح بھی صرف نظر نہیں کی جاسکتی۔

حوالہ جات

۱۔ اکرام، شیخ محمد، **یادگار شبلی**، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۲۔ کلب روڈ، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۱۲

۲۔ صدیقی، ڈاکٹر آفتاب احمد، **شبلی ایک دبستان**، ایجوکیشنل پریس، کراچی، تاریخ ندارد، ص ۹۷

۳۔ نعمانی، علامہ شبلی، **علم الکلام**، نفیس اکیڈمی، کراچی، طبع سوم، نومبر ۱۹۷۹ء، ص ۷۵

۴۔ ندوی، سید سلیمان، **حیات شبلی**، معارف دارالمصنفین، اعظم گڑھ، ۱۹۸۳ء، ص ۸۲۸

۵۔ ندوی، مولوی مسعود علی، **مقالات شبلی**، جلد ہشتم، معارف، اعظم گڑھ، ۱۹۳۸ء، ص ۳۸

۶۔ ندوی، سید سلیمان، **حیات شبلی**، معارف دارالمصنفین، اعظم گڑھ، ص ۱۸۰۔۱۸۱

۷۔ اکرام، شیخ محمد، **شبلی نامہ**، تاج آفس، محمد علی روڈ، بمبئی، تاریخ ندارد، ص ۳۸

۸۔ ندوی، سید سلیمان، **حیات شبلی**، معارف دارالمصنفین، اعظم گڑھ، ۱۹۸۳ء، ص ۶۹

۹۔ جوناگڑھی، قاضی احمد میاں اختر، **مضامین اختر جوناگڑھی**، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، تاریخ دارد، ص ۳۰۹

۱۰۔ صوفی،، محمد قادر علی خان، **مجموعہ نظم**، مطبع مفید عام، آگرہ، ۱۸۹۳ء، ص ۲۹۔۳۰

۱۱۔ صدیقی، ڈاکٹر آفتاب احمد، **شبلی ایک دبستان**، ایجوکیشنل پریس، کراچی، تاریخ ندارد، ص ۲۵۴

۱۲۔ شمس، محمد اسحاق، **شبلی کا تنقیدی شعور**، اردو اکیڈمی سندھ، بابائے اردو روڈ، کراچی، ۱۹۷۰ء، ص ۱۷۶

۱۳۔ اعظمی، عبد اللطیف، **مولانا شبلی کا مرتبہ اردو ادب میں**، صفیہ اکیڈمی، کراچی، ۱۹۶۷ء، ص ۷

۱۴۔ انصاری، معین الدین احمد، **شبلی مکاتیب کی روشنی میں**، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، ۱۹۶۷ء، ص ۲۱۴

۱۵۔ اکرام، شیخ محمد، **شبلی نامہ**، تاج آفس، محمد علی روڈ، بمبئی، تاریخ ندارد، ص ۲۶

۱۶۔ اکرام، شیخ محمد، **یادگار شبلی**، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۲۔ کلب روڈ، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۱۵۹

۱۷۔ نعمانی، علامہ شبلی، **المامون**، خلیل اشرف عثمانی، دارالاشاعت، اردو بازار، طبع اول، ذوالحجہ ۱۴۱۲ھ، کراچی، ص ۵۹

۱۸۔ ایضاً، ص ۱۶۴

۱۹۔ نعمانی، علامہ شبلی، **سیرۃ النعمان**، خلیل اشرف عثمانی، طبع اول، دارالاشاعت اردو بازار، کراچی، شعبان ۱۴۱۲ھ، ص ۸۶

۲۰۔ ایضاً، ص ۴۹

۲۱۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، **خلافت وملوکیت**، ادارۂ ترجمہ القرآن لمیٹڈ، اردو بازار، لاہور، پچیسویں اشاعت، جون ۱۹۹۸ء، ص ۲۵۸

۲۲۔ نعمانی، علامہ شبلی، **المامون**، خلیل اشرف عثمانی، دارالاشاعت، اردو بازار، طبع اول، ذوالحجہ ۱۴۱۲ھ، کراچی، ص ۹۷

۲۳۔ ایضاً، ص۹۸

۲۴۔ ایضاً، ص۹۸

۲۵۔ ایضاً، ص۹۹

۲۶۔ نجار، ابراہیم مصطفی أحمد الزیات حامد عبد القادر محمد، **معجم الوسیط**، دار الدعوۃ، مجمع اللغۃ العربیۃ، جز۱، ص۱۹۸

۲۷۔ نعمانی، علامہ شبلی، **المامون**، خلیل اشرف عثمانی، دارالاشاعت، اردو بازار، طبع اول، ذوالحجہ ۱۴۱۲ھ، کراچی، ص۹۸۔۹۹

۲۸۔ ایضاً، ص۱۵۰

۲۹۔ ایضاً، ص۱۵۴

۳۰۔ ایضاً، ص۱۵۴

۳۱۔ ایضاً، ص۱۵۶

۳۲۔ نعمانی، علامہ شبلی، **سیرۃ النعمان**، خلیل اشرف عثمانی، دارالاشاعت اردو بازار، کراچی، شعبان ۱۴۱۲ھ، ص۱۰۴۔۱۰۵

۳۳۔ ایضاً، ص۱۷۷۔۱۷۸

۳۴۔ نعمانی، علامہ شبلی، **الغزالی**، خلیل اشرف عثمانی، دارالاشاعت، کراچی، طبع اول، ذوالحجہ ۱۴۱۲ھ، ص۴۲

۳۵۔ نعمانی، علامہ شبلی، **سیرۃ النعمان**، با خلیل اشرف عثمانی، طبع اول، دارالاشاعت اردو بازار، کراچی، شعبان ۱۴۱۲ھ، ص۱۹۹

۳۶۔ نعمانی، علامہ شبلی، **سوانح مولانا روم**، محمد عباس شاد، دارالشعور، شوروم، مزنگ روڈ، بک سٹریٹ، لاہور، ستمبر ۲۰۰۶، ص۱۱

۳۷۔ ایضاً، ص۹۲

۳۸۔ ایضاً، ص۶۵

۳۹۔ نعمانی، علامہ شبلی، **المامون**، خلیل اشرف عثمانی، دارالاشاعت، اردو بازار کراچی، طبع اول، ذوالحجہ ۱۴۱۲ھ، ص۱۱۷۔۱۱۸

۴۰۔ نعمانی، علامہ شبلی، **الفاروق**، طابع: شیخ نیاز احمد، شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ، پبلشرز، ادبی مارکیٹ، لاہور، تاریخ ندارد، ص۶۵

۴۱۔ ایضاً، ص۱۹۳

۴۲۔ ایضاً، ص۲۵۱

۴۳۔ ایضاً، ص۲۷۳

۴۴۔ نعمانی، علامہ شبلی، **الغزالی**، خلیل اشرف عثمانی، دار الاشاعت اردو بازار، کراچی، طبع اول، ذوالحجہ ۱۴۱۲ھ، ص۴۸

۴۵۔ ایضاً، ص۴۹

۴۶۔ ایضاً، ص۴۹۔۵۰

۴۷۔ نعمانی، علامہ شبلی، **سیرۃ النبی**، ج۱، دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی، مئی ۱۹۸۵ء، ص۱۰۸

۴۸۔ حلبی، علی بن برہان الدین، **السیرۃ الحلبیۃ فی سیرۃ الأمین المأمون**، دار المعرفۃ، ۱۴۰۰ھ، بیروت، جز۱، ص۱۱۹

۴۹۔ نعمانی، علامہ شبلی، **سیرۃ النبی**، ج۱، دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی، مئی ۱۹۸۵ء، ص۱۴۹

۵۰۔ أبو محمد، عبد الملک بن ہشام بن أیوب الحمیری المعافری، **السیرۃ النبویۃ**، تحقیق طہ عبد الرؤف سعد، دار الجیل، ۱۴۱۱ھ، بیروت، جز۲، ص۲۲۱

۵۱۔ نعمانی، علامہ شبلی، **سیرۃ النبی**، ج۱، دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی، مئی ۱۹۸۵ء، ص۱۶۳

۵۲۔ حلبی، علی بن برہان الدین، **السیرۃ الحلبیۃ فی سیرۃ الأمین المأمون**، دار المعرفۃ، ۱۴۰۰ھ، بیروت، جز۲، ص۲۰۶

۵۳۔ مسلم بن الحجاج ابوالحسین القشیری النیشاپوری، **صحیح مسلم**، دار الجیل بیروت + دار الأفاق الجدیدۃ بیروت، جز۴، ص۲۱۵۷

۵۴۔ سیوطی، جلال الدین، **الدر المنثور**، دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر - بیروت - لبنان، ج۶، ص۱۳۳

۵۵۔ أبو محمد، عبد الملک بن ہشام بن أیوب الحمیری المعافری، **السیرۃ النبویۃ**، تحقیق طہ عبد الرؤف سعد، دار الجیل، ۱۴۱۱ھ، بیروت، جز۲، ص۲۴۱

۵۶۔ بخاری، محمد بن اسماعیل ابوعبداللہ، **صحیح بخاری**، دار ابن کثیر، الیمامۃ، بیروت، الطبعۃ الثالثۃ، ۱۴۰۷ھ۔۱۹۸۷ء، تحقیق: مصطفیٰ دیب البغا، کتاب فضائل الصحابۃ، باب حدیث الاسراء، ج۳، ص۱۴۰۹

۵۷۔ عسقلانی، حافظ ابن حجر، **الاسراء والمعراج**، موقع مجاہد مسلم، ۸ شوال ۱۴۲۳ھ - بیروت لبنان

۵۸۔ مسلم بن الحجاج ابوالحسین القشیری النیشاپوری، ص **حیح مسلم**، دار احیاء التراث العربی، بیروت، تحقیق۔ محمد فواد عبدالباقی، کتاب فضائل الصحابۃ، کتاب الایمان، باب الِاسْرَاءِ بِرَسُولِ اللّٰہِ - صلی اللہ علیہ وسلم - اِلَی السَّمٰوَاتِ وَفَرْضِ الصَّلَوَاتِ، ج۱، ص۱۴۳

۵۹۔ أبو بکر البیہقی، أحمد بن الحسین بن علی بن موسی الخُسْرَوْجِردی الخراسانی، **دلائل النبوۃ**، المکتبہ الشاملۃ، جز۲، ص۳۷۳

۶۰۔ حلبی، علی بن برہان الدین، **السیرۃ الحلبیۃ فی سیرۃ الأمین المأمون**، دار المعرفۃ، ۱۴۰۰ھ، بیروت، جز۱، ص۴۱۷

۶۱۔ ایضاً، جز۳، ص۳۴۲

۶۲۔ مسلم بن الحجاج ابوالحسین القشیری النیشاپوری، **صحیح مسلم**، دار الجیل بیروت + دار الأفاق الجدیدۃ بیروت، جز۷، ص۵۹

۶۳۔ عبداللہ، ڈاکٹر سید، **شبلی کے تصنیفی کام کی مجموعی قدر وقیمت**، ترتیب: خان عبید اللہ خان، مقالات یوم شبلی، اردو مرکز، لاہور، 1961ء، ص۴